اقبال اور متنبّی کا فکری نظام

ڈاکٹر محمد ابوذر خلیل*

سید عمار حیدر زیدی**

Abstract:

Wisdom has been an important issue for every nation of every time. Mutanabbi and Iqbal are also the representative poets of their language. The fame's cause of both is to take the wisdom as main topic of their poetry. It has been said about Mutanabbi: "Abu Tamam and Mutanabbi both are wise men. But the poet is …. Al-Buhtaree". And at the other end….. Iqbal is awarded the title of "Hakeem Ul Ummat" (the greatest wise man of his nation). This is the common fact between these two poets.This study is as an evidence of this claim, in which a comparative review is presented & submitted about the wisdom poetry of both: Mutanabbi and Iqbal.

متنبّی کا نام اُحمد بن الحسین بن عبدالصمد تھا الجعفی اور الکوفي نسبت ،ابوالطیب کنیت اور المتنبی کے لقب سے مشہور تھا اور اس کا والد عیدان السقا (ماشکی) کے نام سے زیادہ مشہور تھا(۱) متنبّی کی ولادت کے بارے میں زیادہ مشہور ہے کہ وہ کوفہ کے کندہ نامی محلے میں پیدا ہوا اس کی سن ولادت کے متعلق مشہور مؤرخ البدیعی کہتا ہے: متنبّی کی ولادت کوفہ میں سن ۳۰۳ ہجری میں ہوئی۔ (۲)

متنبّی چھوٹی عمر میں ہی کتب فروشوں کی دکانوں پر آتا جاتا رہتا تھا تا کہ وہ ان کے ہاں موجود کتب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے وہ بچپن ہی سے انتہائی ذہین وفطین تھا حتیٰ کہ عوام الناس بھی اس کی ذکاوت کی گواہی دیتے تھے، اِس بارے میں مشہور مورخ قاضی اُبوعلی التنوخی ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مجھے ایک کتب فروش کہ جس کے پاس متنبّی اکثر آیا کرتا تھا نے بتایا کہ میں نے اپنی زندگی میں اس بچے سے زیادہ ذہین کسی کو نہیں

* شعبہ عربی، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** شعبہ عربی، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

دیکھا، میں نے پوچھا کہ وہ کس طرح تو اس نے کہا کہ یہ بچہ ایک دفعہ میرے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی اصمعی کی کتابوں میں سے ایک کتاب میرے پاس بیچنے کے لئے لایا جو کہ تیس صفحات پر مشتمل تھی، متنبّی وہ کتاب لے کر غور سے پڑھنے لگا جب کچھ زیادہ دیر ہوگئی تو اس شخص نے متنبّی سے کہا کہ یہ کتاب میں بیچنے کے لئے لایا تھا آپ نے کافی دیر کردی ہے اگر آپ اس کو زبانی یاد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کم از کم ایک ماہ درکار ہوگا، متنبّی نے کہا کہ اگر میں نے اسی مدت میں اس کتاب کو یاد کرلیا ہو تو آپ مجھے کیا انعام دیں گے؟ تو اس شخص نے فوراً کہا کہ یہ کتاب میں آپ کو تحفتاً دے دوں گا اور یہ کہتے ہی متنبّی کے ہاتھ سے کتاب لے لی اور کہا کہ اگر یاد ہے تو زبانی سناؤ، متنبّی نے فوراً وہ کتاب شروع سے آخر تک زبانی سنا دی، سنانے کے بعد وہ کتاب اپنی بغل میں مارتا ہوا چل دیا اس کے بعد کتاب کا مالک اس سے اس کی قیمت کی فرمائش کرنے لگا تو متنبّی نے کہا میں تو نہیں دوں گا کیونکہ زبانی سنانے کی شرط پر تو نے خود ہی تو مجھے تحفہ کے طور پر دینے کا کہا ہے۔۔۔۔تو پھر لوگوں نے اسے قیمت لینے سے منع کر دیا اور اس سے کہا کہ تو نے خود تو شرط لگائی ہے لہذا یہ کتاب تمہیں متنبّی کو مفت میں دینی ہوگی۔ (۳)

> ''خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں متنبّی کے بارے میں لکھتے ہیں: متنبّی نے لغتُ اُدب کا علم حاصل کیا انسانیت کی تاریخ پر بہت غور و خوض کیا، بچپن ہی سے شاعری کرنی شروع کردی تھی حتی کہ اس کی انتہا کو پہنچا اور اپنے اہل زمانہ پر چھا گیا اور اپنے ہمعصر شعراء پر بازی لے گیا۔'' (۴)

متنبّی کے ادبی مقام و مرتبہ کے سلسلے میں ثعالبی کہتا ہے کہ ہمارے زمانے کی درس و تدریس کی انسانی مجالس میں سے کوئی بھی محفل متنبّی کی شاعری کی محفل سے زیادہ بارونق نہیں ہے نا ہی اُدباء و نقادین نے کسی شاعر کے بارے میں اتنا لکھا ہے جتنا متنبّی کے بارے میں لکھا گیا ہے اور نہ ہی محفلوں میں خطباء کی زبانی اتنی شاعری کہی گئی جتنی کہ متنبّی کی شاعری عام و خاص کی زبانی پڑھی گئی ہے اور نا ہی متنبّی سے زیادہ عرب گلوکاروں نے کسی اور کی شاعری کو گایا ہے، اس کی شاعری کی تشریح و توضیح میں مصنفین نے ہزاروں کتابیں لکھ ماری ہیں۔ (۵)

متنبّی کے فوت ہونے کے نصف صدی بعد ثعالبی اس کا علمی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:
علمی محافل میں متنبّی کا تذکرہ سورج و چاند کی مانند چلا ہے اس کا کلام شہروں اور دیہاتوں میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے حتی کہ راتوں نے اس کے کلام کے گیت الاپے ہیں اور دنوں نے اس کے کلام کو محفوظ و مدون کیا ہے۔ (۶)

متنبّی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

مـــارأى الـنـــاس ثـــانـي الـمـتـنبـي   أي ثـــان يـــرى لبـكـــر الـــزمـــان

هـــو فــــي شـعـــره نبـي ولــكـــن   ظهـرت مـعـجـزاتـه في الـمـعـانـى (۷)

ترجمہ: لوگوں نے کبھی بھی متنبّی کا ثانی نہیں دیکھا، اور زمانے میں اس کا ثانی ہو بھی کون سکتا ہے؟ وہ

شاعری کا نبی ہے اس کے معجزات کا ظہور اس کی شاعری کے معانی میں ہے۔

کشف الظنون کے مصنف حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: مجھے میرے ایک استاد نے بتایا ہے کہ مجھے متنبّی کی شاعری کی چالیس سے زیادہ شروحات ملی ہیں۔ **(۸)**

متنبّی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے نبوت کا دعوی کیا تھا مگر نقادین کی اِس بارے میں مختلف آراء ہیں اکثریت کی یہی رائے ہے کہ اس نے قوت بیان اور قادر الکلام ہونے کے ناطے جھوٹی نبوت کا دعوی کیا تھا۔ مگر بعض محققین کی رائے اس سے مختلف ہے کیونکہ عربی لغت میں (المتنبی) کے معنی ہیں جھوٹی نبوت کا دعوی کرنے والا، اگر وہ سچ مچ نبوت کا دعوی کرتا تو پھر وہ اپنے لئے (المتنبی) کے لفظ کو پسند نہ کرتا، بلکہ وہ اپنے نام کے ساتھ النبی لگاتا، قوی امکان یہی ہے وہ عربی کہاوت (المعاصرہ وجہ المنافرہ) کے مطابق معاصرت کے عناد کی بھینٹ چڑھا اسے بد نام کرنے کی ناکام کوشش کی گئی مگر وہ ساری زندگی علم وأدب کے میدان میں اپنے معاصرین پر غالب وفائق رہا اور مرنے کے بعد بھی اس کے کلام کو قبول عام نصیب ہوا، متنبّی نے سن ۴۵۳ھ کو وفات پائی۔ **(۹)**

بیسویں صدی عیسوی کے مشہور مفکر اور ہندوستان کے بلند پایۂ شاعر، پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں سن ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی، حصول علم کے سلسلے میں لاہور آئے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے کیا۔ یورپ کی بلند پایہ یونیورسٹیوں سے قانون اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

محمد اقبال نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے ذہنوں پر دینی وثقافتی گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں الگ اسلامی مملکت کے قیام کی بات کی جو آخر کار قیام پاکستان کی شکل میں شرمندہ تعبیر ہوئی۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں تو قبول دعا کا وقت ہوگا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبالمند بیٹا ہندوستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا۔ وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلی مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانہ میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمگیر شہرت پیدا کر لی ہے۔ تو اس نے بھی از راہ قدر دانی (سر) کا ممتاز خطاب انہیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطف خداداد ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلص کا تخلص ان کی ڈاکٹری اور سری سے

زیادہ مشہور اور مقبول ہے۔(۱۰) اقبال کے متعدد دواوین بزبان فارسی و اردو جن کا دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ دنیا کے بڑے بڑے عظیم شعراء اور مفکرین کے ساتھ آپ کے مختلف موضوعات پر تقابلی و تنقیدی جائزے مختلف سطح پر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ہمارا یہ مطالعہ بھی اسی سلسلیکی ایک کڑی ہے جس میں متنبّی اور اقبال کے فکری نظام کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

فکر ونظر ادبِ عالی کی اعلیٰ ترین صنف ہے، حکمت ودانائی زندگی کا پہلا فلسفہ ہے، مشرق اس کا مسکنِ اول ہے کیونکہ یہ انسانی زندگی کو نور حکمت سے روشن کرنے میں سبقت رکھتا ہے اور عقل کی زباں اس کا مرکز اول ہے مشرقی حکمت ودانائی اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ مشرق خود قدیم ہے۔اس لئے یہ اس کے پہاڑوں وادیوں، فضاؤ صحراء میں بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔سمندر کی لہروں پر سفر کرنے والے اور صحراء میں اونٹ اور بکریاں چرانے والے حودی خواں اس کی بولی میں گنگنانے دکھائی دیتے ہیں گویا وہ ان کی کتاب مقدس ہے۔قدیم مصری اور ہندوستانی اُدب اس سے مالا مال ہے، ہمیشہ سے یہ قدیم عبرانی وسریانی اور عربی کتب کی زینت رہی ہے، مغرب نے تو بہت بعد میں اس کی طرف جھانکا ہے اور اس کے ثمرات حاصل کرنے کی خاطر مشرق کی طرف اپنا ہاتھ پھیلایا۔مشرقی حکمت و دانائی دنیا کے ہر فکر وفلسفہ واخلاقیات کی بنیاد ہے۔اِس ضمن میں میاں محمد شریف کہتے ہیں، اس طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے کلاسیکی ادب کے نو فلاطونی عناصر، برطانوی رومانیت میں بھی ملتے ہیں، مشرق کی شراب کہن سال مغرب کے لئے مئے نوتھی۔(۱۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری ادب کا وہ شعبہ ہے جس میں مشرقی شعراء مغربی شعراء کی بہ نسبت زیادہ بلندی پر کھڑے ہیں۔مستشرقین میں کوئی ایک آدمی بھی یقیناً ایسا نہیں جو یہ موقف اپنانے کی جرأت کرے کہ عربی اور سنسکرت کی شاعری کا موازنہ یورپی اقوام کی شاعری سے کیا جا سکتا ہے۔

کیونکہ ان دونوں کے اُدب وشاعری پر ہمیشہ رومانویت کا غلبہ رہا ہے اسی پس منظر میں اگر عربی اور اردو اُدب دونوں کا جائزہ لیا جائے تو دونوں ہمیشہ رومانویت کے زیر اثر رہے ہیں، اسی لئے جب ہم عربی شاعری کا عمومی طور پر بغور جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اصناف سخن میں وجدانی یا غنائی شاعری ہے جو عربوں کا طرۂ امتیاز رہی ہے جبکہ کلاسیکی اُدب تمثیلی اور قصصی شاعری ان کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔زمانہ جاھلیت سے لیکر عباسی دور کے آغاز تک عربوں کی شاعری میں یکسانیت اور عدم تنوع پایا جاتا ہے۔جذبات کی شدت جو کہ وجدانی شاعری کا میزہ ہے۔عربی شاعری میں فکر، سوچ اور حکمت ودانائی کے عنصر کا کھوج ہمیں سب سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ملتا ہے۔ جاہلی شاعر اپنے قبائلی معاشرے میں چونکہ ایک اہم مرتبے کا حامل اور بہت فعال اور با اثر ہوتا تھا، اسے زندگی کا بہت کچھ گرم وسرد چکھنا پڑتا تھا۔ ہر طرح کے انسانی کرداروں سے اسے سابقہ پیش آتا تھا اور قبائل کی باہمی چپقلشوں میں وہ کبھی جنگ کی آگ بھڑکانے والا اور کبھی یہ آگ بجھانے والا ہوتا تھا۔حساس اور باشعور ہونے کی وجہ سے وہ زندگی

کے ان تجربوں سے کچھ نتائج اخذ کرتا تھا، اور جب وہ اپنا قصیدہ نظم کرتا تو اس میں جہاں دوسرے مروج موضوعات پہ اظہار خیال کرتا وہاں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکمت و دانائی کی باتیں بھی کر جاتا جو اس نے زندگی سے کشید کی ہوئی تھیں۔ یہ صورت یوں تو متعدد جاہلی شعراء کے ہاں ملتی ہے۔لیکن اس روپ میں تین شاعر نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔زہیر ابن ابی سلمی، لبید اور طرفہ۔ یہ تینوں سبع معلقات کے شاعر ہیں۔(۱۲)

عہد جاہلیت کے بعد اوائل اسلام اور اموی دور میں ہونے والی شاعری میں فکر و تدبر کے کوئی خاص آثار نہیں ملتے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے بعد عربی زبان میں نثر کا رواج پڑتا ہے اور اہل فکر و بصیرت اپنی سوچ کا اظہار اب زیادہ تر نثر کے پیرائے میں کرنے لگتے ہیں۔مگر جب ہم عہد عباسی میں آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ عربی شاعری پر ان دوسری تہذیبوں کے اثرات، جن کے ساتھ عربی اسلامی مملکت کا تعلق قائم ہوا ہے۔ ایرانی تہذیب کے اثر سے اس میں جذبے کی تہذیب، خیال کی نزاکت اور الفاظ کی تراش خراش دکھائی دیتی ہے اور یونان و ہند کے فکر و فلسفہ کے زیر اثر اس میں حکیمانہ انداز غالب ہے۔اس عہد کی شاعری میں فکر و تدبر کا عنصر بعض شعراء کے ہاں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہے اس سلسلے میں ابو العتاہیہ، ابو تمام، متنبّی اور معری قابل ذکر نام ہیں۔

عربی شاعری میں متنبّی پہلا شاعر ہے کہ جس نے فکر و فلسفہ اور حکمت و دانائی کو اپنے شاعری کا موضوع بنایا اسی لئے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: متنبّی اور ابو تمام مفکر اور حکیم ہیں جبکہ شاعر تو بحتری ہے؛ عربی شاعری میں متنبّی بلند پایہ شاعر ہے اس کی شاعری حکمت و دانائی کا خزینہ ہے۔اس کے ہاں انسانی آراء ہیں جو کہ انسانی فلسفۂ حیات اخلاقیات و جذبات پر مشتمل ہیں فرد و معاشرہ دونوں کے متعلق گفتگو کرتا ہے اس کے کلام میں زیادہ تر انقلابات زمانہ اور اس زندگی کے فانی ہو جانے اور اس کی نعمتوں کے زوال پذیر ہو جانے پر زور ہے اس پر فکر و فلسفے کا غلبہ ہے اس چیز کا اظہار اکثر وہ اپنے مدحیہ کلام اور غزلیات میں کرتا ہے لیکن متنبّی کے ہاں باقاعدہ کوئی فکری نظام نہیں ہے جس میں اس نے حقیقت کائنات، زندگی اور اخلاقیات کے بارے میں کوئی مربوط نظام پیش کیا ہو، بلکہ اس کی پوری شاعری میں حیات و مابعد الحیات کے بارے منتشر شکل میں افکار و آراء ملتے ہیں۔اس کی مکمل شاعری کا احاطہ کرنے کے بعد اس کے ہاں ایک فکری نظام تشکیل پاتا ہے۔جس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کے فکری نظام کا مصدر و منبع سب سے پہلے اس کی اپنی ذات اور پھر اس کے ذاتی تجربات و واردات ہیں۔اس ضمن میں محمد کاظم لکھتے ہیں:

''متنبّی چوتھی صدی ہجری (یا دسویں صدی عیسوی) کا شاعر ہے اس کے متعلق سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگرچہ اس کے کلام میں فکر و فلسفے کا قابل لحاظ عنصر ملتا ہے لیکن وہ بنیادی طور پر فخر و مباہات اور مدح و ہجو جیسے روایتی اور درباری موضوعات کا شاعر ہے اور اس کا شعری مرتبہ یہ ہے کہ ادب کے بعض نقاد اسے عربی زبان کا سب سے بڑا

شاعر قرار دیتے ہیں''۔ (۱۳)

متنبّی تک آتے آتے اہل یونان کے بہت سے علوم وفنون عربی زبان میں منتقل ہو چکے تھے۔ افلاطون اور ارسطو کے افکار پر گفتگو اور بحث مباحثے کا رواج چل نکلا تھا۔ متنبّی نے بھی اس عہد کے حکماء کو پڑھا تھا اور ان کے بارے میں قیل وقال سنی تھی۔ جیسا کہ اپنے چند شعروں میں وہ اپنے بدوی اجداد کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ کے بعد میں ارسطو، سکندر اور بطلیموس کی محفلوں میں بیٹھا ہوں۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے خدا نے انہیں اور ان کے زمانوں کو دنیا میں پھر سے بھیج دیا ہو۔ اس ثقافت کے اثرات اس کی شاعری میں جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں، اور بعض شارحین اس کے ایسے شعروں کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے بنیادی خیال کی کھوج میں ارسطو کی فکر وفلسفے تک جا پہنچتے ہیں۔ (۱۴)

دوسری جانب جب ہم اقبال کے ادب اور شاعری کا عمومی جائزہ لیتے ہیں متنبّی کی طرح اقبال کے ہاں بھی فلاسفہ کی طرح باقاعدہ مربوط فکری نظام نہیں بلکہ ان کے منظوم اور نثر یہ کلام میں ان کے افکار وآراء منتشر شکل میں موجود ہیں۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی اپنے ایک مضمون (اقبال کا نظام فکر) میں لکھتے ہیں: علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کے منظور کلام اور سوانح حیات پر بے شمار کتابیں اور مقالات تحریر کئے گئے لیکن ان کے افکار کو مربوط نظام میں ترتیب دینے پر کما حقہ، توجہ نہیں کی گئی۔ (۱۵)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے ایسا کیونکر کیا حالانکہ عام طور پر یہ بات معلوم ہے کہ علامہ اقبال کا خصوصی مضمون فلسفہ تھا اور لاہور کیمبرج اور جرمنی میں فلسفہ کے مطالعہ اور اس پر تحقیقات کے دوران انہیں مشرق و مغرب کے فلاسفہ اور مفکرین کے خیالات سے مستفید ہونے کا موقع بھی ملا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی افتادہ طبع بھی کچھ ایسی تھی وہ محض سطحی معلومات حاصل کرنے اور دوسروں کی تقلید کرنے پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے بلکہ خود بھی غور فکر کرنے کے عادی تھے مگر انہوں نے اپنے افکار وآراء کو مربوط شکل کیوں نہ دی تو اس بارے میں ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں: فلاسفہ کا عام طور پر یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے افکار کو ایک مبسوط کتاب یا رسالہ کی صورت میں منطقی استدلال کے ساتھ ایک دوسرے سے منسلک اور ماخوذ نتائج کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ فلسفہ کے ایک متعلم کی طرح علامہ اقبال کو بھی یہی پیرایہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن انہوں نے اپنا مقصد حیات اور اپنی علمی کاوشوں کا نصب العین دوسرے فلاسفہ سے جداگانہ متعین کیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ نسلِ انسانی کو، جو دور حاضر کی غیر معمولی مادی ترقی سے گمراہ ہو کر تباہی کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے، سیدھا راستہ بتائیں اور تباہی سے بچائیں وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ ان کے متعینہ مقصد کے لئے فلسفہ کی کتابوں کی نسبت الہامی شاعری زیادہ مؤثر اور کارگر ہو سکتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شاعری کی زبان دل کش اور دل آویز ہونے کے علاوہ یہ وقوت اور صلاحیت بھی رکھتی ہے کہ کسی مفہوم کو، جو فلسفیانہ مضمون یا علمی مقالہ میں کئی صفحوں پر پھیلی ہوئی تشریح اور توضیح کے باوجود خاطر خواہ سمجھ میں نہیں آتا،

ایک شعر کے ذریعے دل نشیں کر دے ،،(۱۶)

اقبال نے فکری مضامین فلسفیانہ انداز میں اپنے منظوم و منثور کلام و مقالات میں پیش کر کے اپنے افکار و آراء کو ہر عام و خاص تک پہنچانے کی سعی کی ہے اس وجہ سے وہ اپنے افکار و خیالات یکجا مربوط طور پر پیش نہ کر سکے۔اس ضمن میں ڈاکٹر صدیقی لکھتے ہیں :فکراور وجداں سے شروع کر کے تمام درمیانی مسائل سے گزرتے ہوئے انسانی معاشرہ ،خصوصاً ملت اسلامیہ کے انتہائی نقطۂ عروج تک ،افکار وخیالات کا ایک سلسلہ ہے جو علامہ اقبال کے کلام اور علمی تحریروں میں منتشر پایا جاتا ہے اور جس کو منطقی تحلیل وتشریح کے بعد ترتیب دے کر مربوط شکل میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔(۱۷)

ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو گیا کہ اقبال اور متنبیؔ دونوں پہلے شاعر تھے ،مگر شاعر ،اپنے آپ کو تخیل کی دنیا تک محدود رکھتا ہے جبکہ ان دونوں نے فکر و وجدان کو یکجا کر دیا جس کی وجہ سے ان دونوں کے شاعر ہونے یا نہ ہونے پر لمبی بحث ہے اسی لئے ناقدین ادب ان دونوں کو شعراء سے زیادہ حکیم و دانا کے طور پر پیش کرتے ہیں۔دوسرا یہ دونوں شعراء حقیقی معنی میں فلسفی بھی نہ تھے کیونکہ ان کے ہاں با قاعدہ کوئی منطقی بنیادوں پر فکری نظام نہ تھا۔ان دونوں نے اپنے افکار و خیالات کو شاعری کی زبان دے کر بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔اور قبول عام پایا ہے اس مقال میں ہم دونوں شعراء کے افکار و خیالات پر مشتمل چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ فکری میدان میں دونوں شعراء نے حقیقتِ کائنات ،اخلاقیات ،زمان و مکان ،ماورائیات پند و نصائح اور حکمت و دانائی کی باتیں کی ہیں جو اقبال کی اردو اور فارسی شاعری بطور خاص (اسرار خودی اور رموز بے خودی) میں جا بجا ہمیں ملتی ہیں ،جس طرح کہ متنبیؔ کے ہاں بھی اس کی شاعری میں جگہ جگہ حکمت و دانائی کی باتیں ملتی ہیں خاص طور پر اس کے مدحیہ کلام میں ان چیزوں کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔

اگر متنبیؔ کی شاعری کا عموی جائزہ لیا جائے تو اس نے اس کائنات کے آغاز و انتہا کے بارے میں بہت کم سوچا ہے۔اس کی سوچ کا زیادہ تر مرکز انسان ،زندگی ،اخلاقیات فرد کا معاشرے سے تعلق کہ جس میں وہ اپنی زندگی بسر کر رہا ہے ،اس کی شاعری کا مرکز و محور موت و حیاۃ ،قوت و ضعف ،لذت و رنج اور الم ،خوشی و محرومی ،حوادثات زمانہ وغیرہ وغیرہ رہے ہیں۔

متنبیؔ کے ہاں زندگی دوسرا نام ہے قوت و طاقت کا ،کیونکہ اس کے ہاں یہ کائنات اور زندگی تنازع للبقاء کی آمجگاہ ہے یہ جنگ اور جہد مسلسل کا میدان ہے ہمیشہ سے لوگ آپس میں برسر پیکار چلے آ رہے ہیں ،بقا صرف اور صرف طاقتور کو ہے اور کامیابی صرف اس بہادر کو نصیب ہوئی ہے جو کبھی خوفزدہ نہیں ہوا؛ کہتا ہے:

انما أنفس الأنيس سباع   يتفارسن جهرة واغتيالا

من أطاق التماس شئ غلابا واغتصابا لم يلتمسه سؤالا (۱۸)

ترجمہ: قریبی اور مانوس لوگ ہی درندے ہیں جو کھلے عام اور چوری چھپے قتل وغارت کرتے ہیں، جو شخص کوئی چیز مار دھاڑ اور غلبے کے ذریعے سے حاصل کرسکتا ہے وہ مانگ کر نہیں لیتا۔ (چھین کر ہی لیتا ہے)

مزید کہتا ہے:

ومن عرف الأيام معرفتي لها وبالناس روى رمحه غير راحم (۱۹)

ترجمہ: اور جو شخص زمانے کو ایسے جان لے گا جیسے میں جانتا ہوں اور لوگوں کو بھی میری طرح جانتا ہو، وہ اپنے نیزے کو ان (مراد لوگوں) کے خون سے سیراب کرلے گا اور ان پر ذرا رحم نہیں کھائے گا۔

متنبّی کے ہاں عظمت و بلندیوں کا حصول قوت کے بغیر ناممکن ہے، قوت ہی اخلاقیات وفضائل کی اصل حقیقت ہے تمام تر مراتب ومناقب کا یہی قوت ہی مرکز ومحور ہے؛ کہتا ہے:

من يهن يسهل الهوان عليه ما لجرح بميت ايلام (۲۰)

ترجمہ: جو ذلت پر راضی ہوجائے اس کیلئے ذلت برداشت کرنا آسان ہوتا ہے، جیسے مردہ کی لاش کو زخم لگانے سے اسے مزید کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

متنبّی کی طرح اقبال کی شاعری کا مرکز ومحور بھی خودی اور اثبات ذات رہا ہے جس کی بنیاد قوت وشجاعت ہے بلکہ اقبال کی شناخت بھی یہی خودی ہے جس کی وجہ سے متنبّی کی طرح وہ بھی اپنے معاصرین سے منفرد وممتاز ہے، کہتا ہے:

نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروت ہے زندگی ان کی معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں
خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں (۲۱)

اقبال اور متنبّی کے افکار کا اگر ان دونوں کی شاعری کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں عبودیت اور غلامی خواہ وہ فکری ہو یا جسمانی دونوں کو انتہائی ناپسند کرتے تھے۔ دونوں کے ہاں غلامی ہی خودی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ دونوں کے ہاں خودی ہی وہ واحد ذریعہ ہے جسے اختیار کرنے سے انسان اعلیٰ وأرفع مقام کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہو پایا ہے؛ متنبّی کہتا ہے:

العبيد ليس لحر صالح بأخ لو أنه في ثياب الحر مولود

لا تشتر العبد الا والعصا معه ان العبد لأنجاس مناكيد (۲۲)

ترجمہ: کبھی غلام عمدہ آزاد کا بھائی نہیں ہوسکتا اگر چہ غلام آزاد کے کپڑوں اور لباس میں کیوں نہ پیدا ہوا ہو۔ غلام کو مت خرید مگر اس حال میں کہ چھڑی (مارنے کی غرض سے) اس کے ساتھ خرید کیونکہ بے شک غلام لوگ سرشت کے ناپاک اور بے خبر ہوتے ہیں، بے مارے کام نہیں کرتے۔

متنبّی کہتا ہے کہ بندۂ حر اور غلام کبھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے مابین اخلاقیات اور دیگر امور میں بہت زیادہ تفاوت ہے، خواہ یہ غلام کسی آزاد کے ہاں ہی پیدا کیوں نہ ہوا ہو، غلامی کی وجہ سے اخلاقیات میں جو پستی آ جاتی ہے دوسرے شعر میں اس کا نفسیاتی حل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے جب بھی کوئی غلام خریدو تو اس کے ساتھ عصا بھی ضرور خریدو کیونکہ غلامی کمینہ پن ہے اس بات کو اقبال اپنے انداز میں کچھ یوں بیان کرتا ہے:

آزاد کی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ محکوم کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید آزاد کا دل زندہ و پُر سوز و طرب ناک

آزاد کی دولت دلِ روشن نفسِ گرم محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش وہ بندۂ افلاک یہ خواجۂ افلاک (۲۳)

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد (۲۴)

شریکِ حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے خرید تے ہیں فقط ان کا جوہرِ ادراک (۲۵)

اقبال اور متنبّی کے نظام فکر کے ضمن میں یہاں پر چند ایک ایسے اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن سے دونوں شعراء کے افکار اور نقطۂ نظر میں یکسانیت پائی جاتی ہے: متنبّی کہتا ہے:

ويختلف الرزكان والفعل واحد الى أن يرى احسان هذا لذا ذنبا

فحب الجبان النفس أورده التقى وحب الشجاع النفس أورده الحربا (۲۶)

ترجمہ: بزدل اور بہادر کبھی برابر نہیں ہو سکتے، بزدل کی اپنے آپ سے محبت اسے جنگ سے فرار سکھاتی ہے اور بہادر کی اپنے آپ سے محبت اسے میدان جنگ تک پہنچاتی ہے، دو آدمی ایک ہی کام کرتے ہیں لیکن نتیجہ دونوں کا مختلف ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا کام احسان شمار کیا جاتا ہے اور دوسرے کا گناہ تصور کیا جاتا ہے۔

بعینہ اسی معنی و مفہوم کو اقبال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور ،مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور (۲۷)

متنبّی کا خیال ہے کہ وہ مال و دولت کہ جس سے عزت و آبرو نہ رہے تو بہتر ہے کہ ایسے مال و دولت سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے، کہتا ہے:

ولا أقيم على مال أذل به ولا ألذ بما عرضي به درن (۲۸)

ترجمہ: میں اس مال کو حاصل نہیں کرتا جس کی وجہ سے میرے مرتبے میں کمی آئے اور میں اس لذت سے کبھی لطف اندوز نہیں ہوتا جس کی وجہ سے میری آبرو میں میل آئے۔ اسی معنی و مفہوم کو اقبال اِس طرح بیان کرتے ہیں:

اے طائرِ لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (۲۹)

متنبّی کے شاعری مجموعے کا اگر عمومی جائزہ لیا جائے تو ایک طرف اس پر خودی، عزت نفس شجاعت و بہادری، سخاوت، اور ہر وہ کام جس سے انسانی عزت و آبرو میں اضافہ ہو۔ کا رنگ غالب ہے دوسری طرف ذلت و رسوائی کی زندگی سے نفرت بلکہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دینا۔ اس کی شاعری کے مرغوب موضوعات ہیں:

ذريني أنال مالا ينال من العلى فصعب العلى في الصعب والسهل في السهل

تريدين لقيان المعالي رخيصة ولا بد دون الشهد من ابر النحل (۳۰)

ترجمہ: مجھے چھوڑ دے تا کہ میں وہ بلند مقامات حاصل کروں جنہیں ابھی حاصل نہیں کیا گیا۔ اس لیے بلندی کا اعلی درجہ اعلی درجے کی مشقت سے ملتا ہے اور کم درجہ کم مشقت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو چاہتی ہے کہ سستے میں ہی مقامات عالیہ کو حاصل کر لیا جائے حالانکہ شہد تک کو حاصل کرنے کیلئے مکھی کے ڈنگ برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

زندگی کی ہمیشہ سے یہ ریت چلی آ رہی ہے کہ عزت و عظمت کا حصول طاقت و بہادری کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ یہی شجاعت و بہادری اخلاقیات کی اصل بنیاد ہے فضائل و مناقب کا منبع و محور ہے۔ بلند و بالا مقام و مرتبہ سے وہ کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا جو بہادری سے حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ مشقتوں سے ہی اعلی مقام حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ آسائشوں سے پستی ہی نصیبا بنتی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ مقام پانا آسان ہے جبکہ شہد کے حصول کے لئے مکھی کے ڈنک کھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو اقبال اپنی شاعری میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر (۳۱)

متنبّی بلند و بالا مقام کے حصول کے لئے شب و روز سرگرداں رہتا ہے اور اپنی منزل کو ستاروں سے آگے آباد کرتا ہے کہتا ہے:

اذا غـــامـــرت فـي شـــرف مـــروم فـلا تـقـنـع بـمـــا دون الـنـجـوم (۳۲)

ترجمہ: جب تو کسی شرف وعزت کو حاصل کرنے کیلئے مشکلات کا سامنا کرے تو پھر ستاروں سے کمتر کسی شے پر قناعت مت کر۔

جب تو اعلیٰ منزل کے حصول کی کوشش کرے تو پھر تجھے اپنی منزل ستاروں سے بھی آگے بنانی چاہیے۔ اسی بات کو اقبال اپنے انداز میں کچھ یوں ادا کرتا ہے:

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر

خود داری ساحل دے، آزادی دریا دے (۳۳)

اقبال اور متنبّی میں صدیوں کا بعد زمانی ہے مگر کیا عجب بات کہ افکار میں کتنی یکسانیت اور مشابہت ہے معلوم نہیں کہ یہ مابعد کی ماقبل سے اثر پذیری یا توارد؟ کیونکہ افکار، حکمت ومعرفت کو نہ کسی زمانے کے ساتھ مختص کیا جا سکتا ہے اور نا ہی کسی مکان کے ساتھ محدود کیا جا سکتا ہے اور نہ افکار کبھی کسی قوم یا مذہب کی ملکیت ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ مشترکہ ورثہ ہے جس نے آگے بڑھ کر حاصل کرنا چاہا تو اس نے اسے پالیا؛ متنبّی کہتا ہے:

واطراق طرف العين ليس بنافع

اذا كان طرف القلب ليس بنافع (۳۴)

شاید یہاں اس لئے بھی اس شعر کے ترجمے کی ضرورت نہیں کیونکہ اقبال نے بعینہ اس مفہوم کو کچھ یوں بیان کیا ہے۔

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں، پر کیا لذت اس رونے میں

جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا (۳۵)

یوں تو بہت سے مسائل ہیں کہ جن کے بارے میں دونوں شعراء کے ہاں آراء افکار آپس میں ملتے جلتے ہیں مگر اِس چھوٹے سے مضمون میں سب کا احاطہ کرنا بہت دشوار ہے لہذا اس ضمن میں چند ایک اہم موضوعات کہ جن کے بارے میں دونوں کے ہاں قدرے مشابہت ومطابقت پائی جاتی ہے، جن کے ذکر نہ کرنے سے دونوں شعراء کے فکری نظام کا احاطہ شاید نہ ہو پائے۔

زندگی کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زندگی دونوں کے ہاں اثبات ذات، خودی، شجاعت، اعلی اخلاق، بلند وبالا مقام سے تعبیر ہے، اسی طرح موت کے بارے میں بھی قریب قریب دونوں کے افکار ملتے جلتے ہیں، موت کے برحق اور یقینی ہونے کے بارے میں متنبّی کہتا ہے:

نحن بنو الموتى فما بالنا
نعاف مالا بدمن شربہ(۳۶)

ترجمہ: ہم سب مرجانے والوں کی اولاد ہی تو ہیں۔مگر ہمیں یہ کیا ہوگیا ہے کہ ہم ایسی مشروب کونوش کرنے سے بچنا چاہتے ہیں جس کو بالآخر پینا ناگزیر ہے۔ہم تو مرنے والوں کی اولاد ہیں ہم کیونکر اس سے بچ پائیں گے یہ تو ایسا پیالہ ہے جسے ہر ایک نے پینا ہے۔بعینہ اسی مفہوم کو اقبال نے اِس طرح بیان کیا ہے، کہتا ہے:

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اِس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے(۳۷)

دونوں شعراء میں اِس قدر مشابہت کی بنا پر ہم کہ سکتے ہیں متنبّی کے آراء وافکار، اقبال کی فکر ونظر کی بنیاد بنے ہیں اور اس نے ان سے استفادہ کیا ہے اور یہی علم ومعرفت کا وطیرہ ہے کہ ہمیشہ لاحق اپنے سابق سے مستفید ہوتا ہے، متنبّی کا قول ہے۔

غیر اختیار قبلت برک بی والجوع یرضی الأسود بالجیف(۳۸)

ترجمہ: میں نے تیرے احسان کو مجبوراً قبول کیا ہے۔جیسے کوئی شیر بھوک کے مارے مردار کھانے پر آمادہ ہوجائے۔اسی مفہوم کو اقبال کچھ یوں ادا کرتا ہے؛ کہتا ہے:

حاجت سے مجبور مردانِ آزاد کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ(۳۹)

متنبّی فلسفہ موت وحیات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر کچھ یوں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

فطعم الموت في أمر صغير كطعم الموت في أمر عظيم
يرى الجبناء أن العجز عقل وتلك خديعة الطبع اللئيم
وكل شجاعة في المرء تغني ولا مثل الشجاعة في الحكيم(۴۰)

ترجمہ: کسی ہلکے معاملے میں آنے والی موت کا ذائقہ ویسا ہی ہے جیسا کہ کسی بڑے معاملے میں آنے والی موت کا ذائقہ۔ بزدل سمجھتے ہیں کہ عاجزی عقل مندی (کا تقاضا) ہے حالانکہ یہ ان کی فطرت کی کمینگی کا دھوکا ہے۔شجاعت و بہادری کیسی ہی ہو فائدہ مند ہوتی ہے۔لیکن! دانا شخص کی شجاعت کے تو کیا ہی کہنے اس کا کوئی مثل ہی نہیں۔بعینہ اسی مفہوم کو اقبال اپنے انداز میں کچھ اس طرح پیش کرتا:

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نورو وجود

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند　　حیات ہے شبِ تاریک میں شرر کی نمود
حیات و موت نہیں التفات کے لائق　　فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود(۴۱)

اقبال اور متنبّی کے منظوم کلام کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِن دونوں کے ذہن میں ایک فکری نظام تشکیل پا چکا تھا جس کو انہوں نے وقتاً فوقتاً دنیا کے سامنے شاعری کی صورت میں پیش کیا۔

ان دونوں شعراء کے نظام فکر کی امتیازی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت اثبات ذات ہے متنبّی نے جس کا اظہار عبودیت و غلامی سے نفرت اور قوت و شجاعت سے والہانہ پیار کی صورت میں پیش کیا، جبکہ اقبال نے اسی فکر کو فلسفہ خودی کی شکل میں پیش کیا اور دونوں کے ہاں یہی حقیقت حیات ہے دونوں کی شاعری اسی چیز کے اردگرد گھومتی ہے عمومی طور پر اگر اقبال کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو اس کے ہاں امید اور یقین محکم نظر آتا ہے جبکہ متنبّی کے ہاں مایوسی نا امیدی اور وقنوطیت کا رنگ غالب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الصبح المنبي عن حيثية المتنبي: محمد يوسف البديعي دار الثقافة، بيروت، لبنان، سن ۱۹۸۵ء، ص، ۲۹۔
۲۔ أيضا
۳۔ المتنبي: محمود محمد شاكر، دار المعرف بمصر، ۱۹۵۶ء ۱۳۷۵ھ، ص ۳۴۱۔
۴۔ تاریخ بغداد: خطیب البغدادی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۴ء، ۱۰۲/۶۔
۵۔ یتیمۃ الدھر: للثعالبی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۳ء، ۱۲۸/۱۔
۶۔ أیضا: ۹۰/۱۔
۷۔ شرح الواحدی لدیوان المتنبی، دار صادر، بیروت، لبنان، ۱۹۶۳ء، ص ۳۔
۸۔ یتیمۃ الدھر: ۹۱/۱۔
۹۔ ذکری أبی الطیب بعد ألف عام: ڈاکٹر عبد الوھاب عزام، دار المعارف بمصر، ۱۳۷۵ھ، ۱۹۵۶ء، ص ۲۰۸۔
۱۰۔ دیباچہ کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۹
۱۱۔ بحوالہ حکمت اقبال: محمد رفیع الدین، علمی کتاب خانہ لاہور، ص ۲۵
۱۲۔ محمد کاظم: اخوان الصفاء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵
۱۴۔ ایضاً، ص ۲۷
۱۵۔ فلسفہ اقبال: مرتبہ بزم اقبال، ص ۱۲۔

۱۶۔ اقبال کا نظام فکر: ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی اقبال شناسی اور فلسفہ کانگرس جرنل ، اظہر سنز پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص،۲۴۔
۱۷۔ ایضاً،ص۲۵۔
۱۸۔ دیوان المتنبی :مطبعۃ السعادۃ،القاہرہ،مصر،۱۳۴۶ھ،۱۹۲۷ء، ج۴،ص۲۲۵۔
۱۹۔ دیوان المتنبی ،ج۳،ص۲۵۳
۲۰۔ ایضا، ج۱،ص۴۶۔
۲۱۔ کلیات اقبال (اردو) اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز،لاہور،۱۹۷۳ء،ص،۶۸۴۔۶۸۵
۲۲۔ دیوان المتنبی :شرح البرقونی،۱/۱۴۴۔
۲۳۔ کلیات اقبال (اردو)ص،۶۸۲۔۶۸۳
۲۴۔ کلیات اقبال (اردو)ص۶۶۲
۲۵۔ کلیات اقبال،ص۶۰۱
۲۶۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۱،ص۱۹۰
۲۷۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۴۴۸
۲۸۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۴،ص۳۶۲
۲۹۔ کلیات اقبال (اردو)ص۳۴۸
۳۰۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۴،ص۲۴۵
۳۱۔ کلیات اقبال (اردو)ص۳۴۴
۳۲۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۳،ص۲۹
۳۳۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۲۱۲
۳۴۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۱،ص۳۲۵
۳۵۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۲۹۱
۳۶۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۲،ص۲۲
۳۷۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۱۵۱
۳۸۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۴،ص۲۴۲
۳۹۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۶۲۸
۴۰۔ دیوان المتنبی ،بشرح البرقونی،ج۴،ص۲۴۸
۴۱۔ کلیات اقبال (اردو)،ص۵۳۰